مہنگائی بھی سود ہے

ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی نے مفلوک الحال غریبوں کو غربت کی اس نہج تک پہنچا دیا ہے، جہاں از روئے شرع اشیائے حرام بھی، جائز ہونے لگتی ہیں۔ تمام انسانوں کو زندہ رہنے اور ضروری اشیا تک ان کی رسائی عام ہونے کو حق مساوات کے تحت بلا تفریق رنگ و نسل، ایک مسلمہ کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اس حق قانونی واخلاقی کے اجماعی جواز کے باوجود لوگوں کا علاج کے پیسے نہ ہونے کے سبب مر جانا، غربت کے باعث خودکشی جیسے اقدام سے گزر جانا، اپنے تن سے پیدا کی ہوئی اولاد کو بیچ ڈالنا، یا خود اپنے ہاتھوں ختم کر دینا اس مسلمہ کی بے اعتباری کو ظاہر کرتا ہے۔

تسلیم شدہ حقائق، کسی ثبوت اور برہان کے محتاج نہیں ہوتے۔ ہمارے نزدیک مہنگائی اور غربت ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہیں۔ اگر مہنگائی بڑھنے کا مطلب غربت کا بڑھنا ہے تو غربت کا خاتمہ بھی مہنگائی کے خاتمے کے بغیر ناممکن ہے۔ مگر مغربی اقتصادی دنیا میں مہنگائی کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مہنگائی کو ترقی کی بنیاد بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے گزشتہ کئی دہائیوں سے مہنگائی ایک عالمی مسئلہ بن چکی ہے۔

مغرب اور ہمارے معاشروں میں مہنگائی کے اسباب اور اثرات الگ الگ ہیں۔ مغرب کی مہنگائی، مغربی لوگوں کے لیے موت کا پیغام نہیں بنتی، لیکن ہمارے معاشروں میں قانون واخلاق کی پامالی کے سبب، مہنگائی ایسی وبائی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ بستیوں کی بستیاں اور آبادیوں کی آبادیاں دیکھتے ہی دیکھتے، غیر محسوس انداز میں عالمی منڈیوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ اور غریبوں کو پتہ بھی نہیں چل پاتا کہ کس طرح مغرب نے انہیں قربان کر دیا ہے۔ حقیقت میں مرے ہوئے اور بظاہر زندہ بھوک و پیاس کے مارے انسانوں کی اپنی کوئی تہذیب نہیں ہوتی۔ ایسے مجبور و مضطر لوگ کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکتے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا علمی و عملی حل، معاشرے کے سربراہوں کو اپنے اہل فکر و نظر افراد کے ساتھ بیٹھ کر تلاش کرنا ہوگا۔

ہمارے نزدیک مہنگائی، ربا کا دوسرا نام ہے۔ وہ ربا جسے قومی بچت کی اسکیموں اور بینکوں میں منافع کی شکل میں تلاش کیا جاتا ہے اور جس کی سنگینی کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ماں سے نکاح کرنے سے بھی بدتر قرار دیا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ مہنگائی کا یہ مہیب اور جان لیوا عفریت (یعنی جبری منافع) ہمارے مفتی صاحبوں کو نظر نہیں آتا۔ وہ مہنگائی کے ذمہ داروں کو ربا پھیلانے، ربا کھانے اور کھلانے کا ذمہ دار نہیں سمجھتے، حالانکہ قرآن کی زبان میں وہ تمام لوگ جو بلا جواز غیر اخلاقی اور غیر قانونی طور پر احتکار، اکتناز، اور ارتکاز وغیرہ کی شکل میں، لوگوں سے جبری منافع کما رہے ہیں۔ وہ سب کے سب "تخبطہ الشیطان" (البقرہ، ۲۷۵) کے زمرے میں آتے ہیں۔ کیونکہ جبری منافع اور معاشی استحصال ہی اصل ربا ہے۔

(مدیر اعلیٰ)

مسئلۂ نسخ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(آیت وصیت و وراثت کے مابین ایک تطبیقی جائزہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج
استاذ الفقہ والتفسیر،
شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۷۶۲ء) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں نسخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ متقدمین یعنی صحابہ اور تابعین اسے لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ متاخرین اسے اصطلاحی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اپنے خیال کے مطابق متقدمین کے نزدیک "معنی نسخ میں ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ دوسری آیت کے ساتھ ہوگا۔ یہ ازالہ اوصاف عام ہے کہ مدت عمل کی انتہا ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا ہو یا یہ بیان کہ قید سابق اتفاقی تھی اور یا لفظ عام کی تخصیص ہو اور یا منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر فارق کا بیان یا جاہلیت کی کسی عادت اور یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو" (۱)

مطلب یہ کہ متقدمین کے ہاں نسخ سے مراد یہ ہے کہ ۱۔ کوئی مضمون پہلے "مطلق" بیان کیا گیا۔ جسے دوسری جگہ "مقید" کر دیا گیا۔ ۲۔ یا پہلے کوئی مضمون "مجمل" طور پر آ گیا۔ جسے دوسری جگہ "مفسّر" کر دیا گیا۔ یا یں طور یہ کہا جائے گا کہ پہلے حکم یا مضمون کو دوسرے حکم یا مضمون نے منسوخ کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "متقدمین" کی اس تعریف کی بناء پر قرآنی آیات میں لغوی لحاظ سے، کثرت کے ساتھ نسخ موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مکی سورتوں میں عموماً اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں اور مدنی سورتوں میں انہی کی تشریح کر دی گئی ہے۔ لیکن متقدمین کے بعد متاخرین نے نسخ کا ایک خاص مطلب متعین کر لیا کہ قرآن مجید میں بعض آیات ایسی ہیں، جنہیں بعد کی آیات نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس لیے اب ان پر عمل جائز نہیں ہے۔